خطبہ جمعہ

رحیمیت سے فیضیاب ہونے کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑے گی۔ خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے

نوکروں، خادموں اور زیر نگیں افراد سے شفقت و رحمت کا سلوک رحیمیت سے تعلق رکھتا ہے

رحیمیت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جن جانوروں سے آپ کام لیتے ہیں ان سے بھی رحمت کا سلوک کریں

جو رحم کرنے والوں سے ظلم کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحیمیت سے بھی اپنا تعلق توڑ لیتے ہیں

حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں خطوط لکھنے والوں کے لئے بعض اہم اور ضروری نصائح

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۲۰ر اپریل ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۰ر شہادت ۱۳۸۰ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔

الحمدلله رب العٰلمين ۔ الرحمٰن الرحيم ۔ مٰلك يوم الدين ۔ إياك نعبد و إياك نستعين ۔

اهدنا الصراط المستقيم ۔ صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. وَذَرُوْا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ. سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۱۸۱)

اور اللہ ہی کے سب خوبصورت نام ہیں۔ پس اُسے ان (ناموں) سے پکارا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارہ میں کج روی سے کام لیتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی انہیں ضرور جزا دی جائے گی۔

اسماء باری تعالیٰ کا جو مضمون مَیں نے شروع کیا ہے اس پر مزید غور سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس پر بقیہ عمر اور اس کے بعد بھی اور عمر گزر جائے تو پھر بھی یہ صفات کا سمندر ختم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال میں حسب توفیق کوشش کر رہا ہوں اور کچھ اس کے نتیجہ میں نئی نئی راہیں بھی کھلتی چلی جا رہی ہیں مثلاً مجھے خیال آیا، اب رحیم کی صفت کا بیان تھا، کہ کیوں نہ قرآن کریم کی ہر وہ آیت جس میں رحیم کا لفظ آتا ہے اس کو دیکھا جائے۔ تو اس پہلو سے اگر پہلے رحمٰن پر بھی اسی طرح غور کیا جاتا تو بہت لمبا سلسلہ رحمٰن کی صفات کے بیان میں خرچ ہو جاتا۔ اسی طرح ربّ کی بات گزر چکی ہے اور ربوبیت کا ذکر بھی اگر قرآن کریم کے حوالہ سے جہاں جہاں بھی ربّ کا لفظ آیا ہے وہ بیان کیا جاتا تو یہ بھی ایک نہ ختم ہونے والا مضمون تھا۔ بہر حال یہ سمجھ کچھ ذرا دیر میں آئی۔

اب جب مَیں نے وہ آیات جن میں "رَحِیْم" آتا ہے صرف سورۃ البقرہ سے نکالی ہیں تو وہ بھی اتنی ہیں اور براہ راست اس مضمون سے ان کا گہرا تعلق ہے کہ اس خطبہ میں شاید مَیں اس کو ختم نہ کر سکوں۔ تو آئندہ بہر حال قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی رحیم کی صفت کا ذکر آیا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے انشاء اللہ آگے چلوں گا۔ اب مَیں حسب سابق پہلے کچھ احادیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تین باتیں جس میں ہوں اللہ تعالیٰ اُسے اپنی حفاظت اور رحمت میں رکھے گا اور اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ پہلی یہ کہ وہ کمزوروں پر رحم کرے، دوسری یہ کہ وہ ماں باپ سے محبت کرے۔ تیسری یہ کہ خادموں اور نوکروں سے اچھا سلوک کرے۔ (ترمذی۔ صفۃ القیامۃ)

جہاں تک پہلی دو باتوں کا تعلق ہے اس کا ایک تو رحمانیت کے ساتھ ذکر ہے جیسا کہ پہلے بھی ماں باپ کے تعلق میں بیان کیا گیا ہے اور کمزوروں پر رحم کرنا بھی رحمانیت سے تعلق رکھتا ہے لیکن تیسرا حصہ یہ کہ خادموں اور نوکروں سے اچھا سلوک کرے۔ یہ یقینی طور پر رحیمیت سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ بھی خدمتگزار ہیں اور نوکر ہیں۔ دوسرے اگر آپ رحم کا سلوک کریں تو یہ رحیمیت ہے کیونکہ ان سے آپ خدمت لیتے ہیں اور پھر اس خدمت کے بدلہ میں جو کچھ بھی دیتے ہیں یہ رحیمیت ہے۔

اسی ضمن میں ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو"۔ (ابن ماجہ۔ کتاب الرھون) یہ بھی بہت ہی پر حکمت بات ہے اور رحیمیت کی کہ جس سے کام لیتے ہو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا کرو۔ یہ ایک محاورہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزانہ آپ کے گھروں میں جو مزدور مثلاً کام کرتے ہیں ان کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے ساتھ ساتھ مزدوری دیتے رہو۔ مراد یہ ہے کہ سارا دن تھکن کے بعد پھر ٹالو مٹولو بھی نہیں اور مزدوری ختم ہوتے ہی اس وقت کا جو پسینہ ہے اس کے خشک ہونے سے پہلے پہلے ان کو مزدوری ادا کر دو۔

پھر ایک اور حدیث ہے مسلم کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔ حضرت معرور بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت ابوذرؓ کو ایک خوبصورت کپڑا پہنے ہوئے دیکھا۔ ان کے غلام نے بھی بالکل ویسا ہی کپڑا پہن رکھا تھا۔ مَیں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں انہوں نے ایک شخص کو بُرا بھلا کہا اور اس کی ماں کے عیب بیان کر کے اُسے شرم دلائی۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: تم میں جہالت کی رگ ابھی باقی ہے۔ یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں، وہ تمہارے خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے زیر نگیں کر دیا ہے۔ جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ اپنے غلاموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر تم کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو تو اس کام میں خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کی مدد کرو۔

اب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جو نصیحتیں فرماتے تھے ان پر پہلے خود عمل فرمایا کرتے تھے اور ہر مشکل موقع پر جب صحابہ کو محنت کرنی پڑی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ان سے بڑھ کر محنت کی۔ گھر میں بھی اپنی خواتین مبارکہ کی مدد کرتے تھے اور گھر کے کام کاج میں، اگرچہ وہ ملازمہ نہیں تھیں مگر زیر نگیں تھیں، تو ان کے کام میں ہاتھ بٹاتے اور ہر قسم کی محنت گھر میں روزمرہ کرتے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نصیحتیں ایک ایسے شخص کی نصیحتیں ہیں جو ان نصیحتوں پر سب دنیا سے زیادہ خود عمل کرنے والا ہے۔

ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسلم کتاب الفضائل میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ ایک بار آپؐ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا۔ مَیں نے کہا: مَیں نہیں جاؤں گا، لیکن میرے دل میں یہ تھا کہ مَیں ضرور جاؤں گا کیونکہ حضورؐ حکم دے رہے ہیں۔ تو یہ بھی آپؐ خدام کو یہ جرأت دلایا کرتے تھے کہ پیار سے اور لاڈ سے وہ آگے سے بات کیا کریں، ڈر کے اور رعب کی وجہ سے چپ نہ رہیں۔ تو کہتے ہیں: مَیں نے آگے سے کہا مَیں نہیں جاؤں گا مگر دل میں یہی تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ لیکن جو "نہیں جاؤں گا" کا فقرہ منہ سے نکلا وہ پھر بات اسی طرح ہی ہو گئی۔ اب اس میں بھی باریک بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے حضور جو بات کی جائے وہ گہرے ادب سے کرنی چاہئے اور اس میں اگر بظاہر مذاق میں ہی کوئی بات کر دو تو پھر ویسا ہی ہو جایا کرتا ہے۔ کہتے ہیں: "بہر حال مَیں چل پڑا اور بازار میں کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرا اور ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ آنحضور ﷺ جب تشریف لائے تو پیچھے سے میری گردن پکڑ لی۔ مَیں نے مُڑ کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپؐ انس کو اُنیس کہتے تھے۔ فرمایا: "اُنیس! جس کام کی طرف مَیں نے تجھے بھیجا تھا وہاں گئے تھے"۔ مَیں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہاں میں ابھی جاتا ہوں"۔ تو گئے وئے کوئی نہیں تھے۔ جو پہلے نہیں کی بات منہ سے نکلی تھی وہی بات ہوئی۔ ابھی جاتا ہوں۔ کہتے ہیں خدا کی قسم! مَیں نے نو سال تک حضورؐ کی خدمت کی ہے،

مجھے علم نہیں کہ آپؐ نے کبھی فرمایا ہو کہ تُو نے یہ کام کیوں کیا یا کوئی کام نہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔(مسلم۔ کتاب الفضائل)

ایک اور حدیث ہے مسلم کتابُ البِرِّ وَالصِّلَة سے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُمِّ سُلَیْم کے پاس ایک یتیم بچی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس بچی کو دیکھا اور مزاحاً فرمایا: "تم اتنی بڑی ہو گئی ہو، تمہاری عمر آئندہ نہ بڑھے"۔

اب یہ فقرہ کہنے والے کی نیت کے مطابق ہے۔ بعض لوگ تو بددعا کے طور پر کہتے ہیں کہ نہ بڑھے اور بعض پیار سے کہتے ہیں کہ چھوٹی لگا کرو، ہمیشہ معصوم سی۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس رنگ میں بڑے پیار سے مزاحاً اس کو فرمایا کہ آئندہ تیری عمر نہ بڑھے۔

وہ یتیم لڑکی اُمِّ سُلَیْم کے پاس روتی ہوئی گئی۔ اُمِّ سُلَیْم نے کہا: بیٹی کیوں روتی ہو؟۔ اُس نے جواب دیا کہ حضورؐ نے مجھے بددعا دی ہے کہ میری عمر بڑی نہ ہو، اب مَیں کبھی لمبی عمر نہ پاؤں گی اور جلدی مر جاؤں گی۔ اُمِّ سُلَیْم جلدی جلدی اپنی اوڑھنی لپیٹے چل پڑیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے اُمّ سلیم سے پوچھا: کیا بات ہے، کیسے آئیں؟۔ اُمِّ سُلَیْم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپؐ نے اس یتیم بچی کو یہ بددعا دی ہے کہ اس کی عمر لمبی نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ کیسے ہے، کیسے ممکن ہے؟۔ اُمِّ سُلَیْم نے کہا کہ آپؐ نے اسے بددعا دی ہے کہ اس کی عمر لمبی نہ ہو۔ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا: مَیں نے تو یونہی بچی سے دل لگی کی بات کی ہے۔ اے اُمِّ سُلَیْم! کیا تجھے معلوم نہیں کہ مَیں نے اپنے ربّ سے یہ شرط منوائی ہوئی ہے۔ یہ بہت ہی گہرا رحیمیت کا کلام ہے کہ مَیں نے اپنے رب سے شرط منوائی ہوئی ہے کہ مَیں انسان ہوں خوش بھی ہوتا ہوں جیسے لوگ خوش ہوتے ہیں اور ناراض بھی ہوتا ہوں جیسے لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ اگر مَیں ناراض ہو کر کسی کو بددعا بھی دوں اور وہ بددعا کا اہل نہیں ہے تو اے میرے اللہ! تُو میری اس بددعا کو اس کے لئے طہارت، پاکیزگی اور قربت کا ذریعہ بنادے، قیامت کے دن وہ تیرا اقرب حاصل کرے۔(مسلم۔ کتاب البر والصلۃ)

اب دیکھئے آنحضور ﷺ کی باتیں کتنی محتاط تھیں۔ فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر تھے۔ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ مَیں نے عرض کی ہے اللہ تعالیٰ سے اور منوالیا ہے کہ جس کو بددعا دوں کبھی اس کو بددعا نہ لگے۔ بعض ظالموں نے جب بہت ظلم کئے صحابہ پر تو ان کو جو بددعا دی وہ اسی طرح قبول ہوئی۔ پس ساتھ یہ فرمایا کہ اگر مَیں بددعا دوں اور وہ اس بددعا کا اہل نہ ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچی تو اس بددعا کی اہل نہیں۔ اگر خدانخواستہ مَیں نے بددعا دی بھی ہوتی تو مَیں نے اپنے اللہ سے یہ عہد لیا ہے کہ ایسی بددعا جو پیار اور غلطی سے کر دی گئی ہو وہ قبول نہ ہو۔

حضرت سَہَل بِن حَنْظَلَہ روایت کرتے ہیں اور یہ کتاب الجہاد، ترمذی سے لی گئی ہے۔ اس میں حضرت حَنْظَلَہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک ایسے اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ کمر سے جالگا تھا۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا: "ان بے زبان چوپایوں کے بارہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ان پر اس حالت میں سواری کرو کہ یہ صحتمند ہوں اور ان کو اس حالت میں کھاؤ کہ یہ صحتمند ہوں۔

اب اونٹ سے تو انسان مزدوری لیتا ہے اور وہاں رحیمیت کا جلوہ انسان کو دکھانا چاہئے۔ کسی جانور سے بھی کام لے تو اس جانور سے بھی رحیمیت کا سلوک ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے بیچارہ زیر نگیں ہے اور پوری محنت کرتا ہے تو جتنی اس کی محنت ہے اس سے رحیمیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اس کو عطا کرو۔ تو اپنے جانوروں سے جن سے کام لیا جاتا ہے گائے، بھینسیں، بیل وغیرہ ان سے بھی ایسا ہی سلوک ہونا چاہئے۔

ہمارے ملک میں تو بدقسمتی سے پنجاب میں خاص طور پر یہ رواج ہے کہ گائے بیل کو ہانکتے ہیں تو ظالموں کی طرح اس کو مارتے بھی چلے جاتے ہیں اور پھر گندی گالیاں بھی دیتے ہیں۔ اب گالیاں تو جانور کو نہیں لگتیں لیکن ان کو خود لگ جاتی ہیں۔ پس رحیمیت کا جلوہ دکھاتے ہوئے اپنے ان جانوروں سے جن سے آپ کام لیتے ہیں ان سے بہت رحمت کا سلوک کریں جو رحیمیت کا تقاضا ہے۔ آپ رحیم بنیں گے تو اللہ آپ کے لئے رحیم بن جائے گا۔ اور حضور ﷺ نے اس کو سمجھانے کی خاطر اور شوق دلانے کی خاطر یہی سمجھایا، اس حالت میں کھاؤ کہ صحتمند ہوں۔ اب جب بھی تمہیں ضرورت پڑی ان کا گوشت کھانے کی اگر تم نے ان کا پورا بدلہ نہیں دیا اور ان کا خیال نہیں رکھا تو پھر تمہیں بھی گندہ گوشت ہی ملے گا۔ تو صحت کے ساتھ رکھو، خود تمہیں اس کا فائدہ پہنچے گا۔

ترمذی کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک روز مجھے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مجھ سے ایک ایسی رازدارانہ بات کی جسے مَیں لوگوں میں سے کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گا"۔ اب یہ رازدرانہ بات جو انہوں نے نہیں بتائی تھی وہ رازدارانہ بات ہی ہے لیکن جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کسی کو بعض دفعہ جنت کی بشارت دے دیا کرتے تھے یا اپنے پیار کی کہ مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ تو یہ وہ غالباً اسی قسم کا راز ہوگا جو بات ان کو بتائی گئی۔ راوی کہتے ہیں "پھر رسول کریم ﷺ انصار کے ایک باغیچہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ تھا۔ اس نے جب رسول کریم ﷺ کو دیکھا تو بلبلانے لگا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ آنحضور ﷺ اس کے پاس گئے، اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرا، اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آنحضور ﷺ نے فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے، یہ اونٹ کس کا ہے؟۔ اس پر ایک نوجوان انصاری آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ میرا اونٹ ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: "تم اس چوپائے کے بارہ میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے اللہ کا تقویٰ کیوں اختیار نہیں کرتے۔ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بار برداری کے کام بھی لیتے ہو"۔

اب یہ کہنا کہ اونٹ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی یہ بظاہر ایک بعید بات ہے مگر حقیقت یہ یہی ہے کہ جانور بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رحمت و شفقت کو پہچان لیتے تھے۔ جانور تو جو شخص بھی اس کو رحمت سے دیکھے اس کو پہچانتا ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ جانور کو سمجھ نہیں آتی۔ روزمرہ کے جو جانوروں سے سلوک کئے جاتے ہیں اس کے مطابق وہ بھی اسی طرح سلوک کرتے ہیں۔ اب یہاں یہ رواج ہے کہ مگ وغیرہ شکاری جانور جو آتے ہیں ان کو مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ تو وہ ہمارے قریب آکر ہمارے ہاتھ سے روٹی کھالیتے ہیں اور پاکستان میں جہاں ان کو مارنے کا رواج ہے وہاں ایک ایک میل دور سے اڑ جاتے ہیں۔ تو جانور بڑا ذکی ہوتا ہے، بہت فہیم ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے مطلب کی عقل عطا فرمائی گئی ہے۔ پس اس لئے اس جانور نے واقعۃً، یقیناً آنحضرت ﷺ کی رحمت کو دیکھ لیا تھا اور بھانپ لیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے اپنے مالک کی شکایت کی۔

اب چند اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ پھر اس کے بعد جو وقت ملے گا تو پھر مَیں انشاء اللہ روایات کی طرف واپس آؤں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور (اللہ تعالیٰ نے) مسیح موعود کو اسمِ احمد کا مظہر بنایا اور اسے شان رحیمی و جمالی کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کے دل میں رحمت اور شفقت کندہ کر دی اور اسے اخلاق عالیہ و فاضلہ سے مہذب فرمایا"۔(اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۱۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی رحیمیت کے جلوہ گر تھے اسی لئے آپ نے جماعت کو بتایا ہے کہ مجھ میں جو غیر معمولی رحمت اور شفقت دیکھتے ہو یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

فرماتے ہیں: "میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور مَیں نماز میں مصروف ہوں، میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔ اپنے تو درکنار مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور ان سے ہمدردی کرو۔ لاابالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہئے"۔

آج کل تو بدنصیبی سے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر ان کی ہمدردی بھی کی جائے تو وہ الٹ کر اس کا جواب سختی سے دیتے ہیں اور ہندوؤں میں یہ خدمتِ خلق نسبتاً آسان ہے۔ اب گجرات میں جو زلزلہ سے تباہی آئی تھی ہماری طرف سے ٹیمیں وہاں کام کرتی رہی ہیں، اب بھی کر رہی ہیں۔ تو ایک ٹیم کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ کام کرتے ہوئے وہاں مسلمانوں نے اتنا برا منایا کہ احمدیوں کے اخلاق کا اچھا اثر پڑے گا اور اس کے نتیجہ میں خواہ یہ کہیں یا نہ کہیں یعنی کہتے تو نہیں کہ احمدی ہو جاؤ

تو مدد کریں گے، ہر ایک کی خدمت کرتے ہیں پھر بھی وہ سمجھ جائیں گے کہ احمدی بہت اچھے لوگ ہیں۔ تو انہوں نے اتنی شدید مخالفت کی کہ پولیس کے پاس اور ہندوؤں اور بڑے بڑے عہدیداروں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم بہت سختی سے اس کا جواب دیں گے۔ پھر اگر یہاں قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو ہم پر آنچ نہ لانا، ہم پر کوئی حرف نہ رکھنا۔ اس پر وہاں کے S.P نے احمدیوں سے درخواست کی کہ آپ ایسے لوگوں کی کیوں مدد کرتے ہیں جو پیار کا جواب غصہ سے دینے والے ہیں۔ اس لئے آپ ہندو علاقہ میں جا کے کام کریں پھر دیکھیں۔ تو اس ہندو علاقہ میں بھی تو زلزلہ آیا ہوا تھا وہاں جب کام کیا تو بے حد خوش ہوئے ہندو اور ہر طرح سے ان کی مدد کی، ہر کام میں وقار عمل کے طور پر شامل ہوئے۔ جو ٹینٹ لے کر گئے تھے وہ ٹینٹ خوشی سے لگوائے۔ تو یہ اب بد قسمتی سے مسلمانوں کا دور ہے کہ ان سے اگر رحیمیت کا بھی سلوک کرو تو اس کو قبول نہیں کرتے۔ پھر اللہ سے کس طرح وہ رحیمیت کی توقع رکھیں گے۔ جو رحم کرنے والوں پر ظلم کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحیمیت سے بھی اپنا تعلق توڑ لیتے ہیں۔

ایک بہت دلچسپ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا لکھا ہے: "ایک مرتبہ میں باہر سیر کو جا رہا تھا ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وہ ذرا آگے تھا اور مَیں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا جو ستر پچھتر برس کی ضعیفہ ملی اس نے ایک خط اسے پڑھنے کو کہا مگر اس نے اس کو جھڑکیاں دے کر ہٹا دیا۔ میرے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے وہ خط مجھے دیا۔ مَیں اس کو لے کر ٹھہر گیا اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیا۔ اس پر پٹواری کو بہت شرمندہ ہونا پڑا کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا ہی اور ثواب سے بھی محروم رہا"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۵۔ جدید ایڈیشن)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام طاعون کے زمانہ میں جو بنی نوع انسان سے شفقت تھی اس کا ذکر مولوی عبدالکریم صاحب کی روایت میں ملتا ہے مگر یہ غالباً رحیمیت سے بڑھ کر رحمانیت کا مضمون ہے کہ جن کے لئے پیشگوئی تھی کہ وہ طاعون سے ہلاک ہوں گے اور اس طرح آپ کی پیشگوئی صادق آئے گی۔ ان کے لئے اشتہار ایک لکھ کر طاعون سے بچنے کی دوائیاں تقسیم کروائیں اور اس کے علاوہ دعاؤں میں رو رو کر گریہ وزاری کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو بچا لے۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چہل قدمی فرما رہے تھے تو واپس آکر اپنے مکان میں داخل ہو رہے تھے کہ کسی سائل نے دُور سے سوال کیا تو اس وقت ملنے والوں کی آوازوں میں اس سائل کی آواز گُم ہو کر رہ گئی۔ اب سائل کو دینا جو ہے یہ رحیمیت ہے۔ رحمانیت بن مانگے دینے کو کہتے ہیں اور بے انتہا دینے کو کہتے ہیں۔ رحیمیت میں ایک معنیٰ یہ ہے کہ جب تم سے کوئی مانگے تو پھر اس سے شفقت کا سلوک کرو۔ پس غریبوں، فقیروں وغیرہ کو کچھ عطا کرنا یہ رحیمیت کا جلوہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کان میں جب آواز آئی تو لوگوں کی باتوں میں وہ ذہن سے نکل گئی کہ ایک فقیر نے آواز دی تھی۔ جب لوگوں کا ہجوم کم ہوا تو حضور نے بلند آواز سے پوچھا کہ جس سائل کی آواز میرے کان میں گونجی تھی باہر جا کر پوچھو کہ اس کا کیا بنا؟ کہاں ہے وہ؟ اس آواز پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمانے پر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو اسی وقت یہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے مگر دل بے چین تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ پر اسی سائل کی پھر آواز آئی اور آپ لپک کر باہر آئے اور اس کے ہاتھ میں کچھ رقم رکھ دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ میری طبیعت اس سائل کی وجہ سے سخت بے چین تھی۔ مَیں نے دعا بھی کی تھی کہ خدا اسے واپس لائے۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۸۶)

اس ضمن میں ایک اور روایت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مَیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"تیسری قسم فیضان کی فیضانِ خاص ہے۔ اس میں اور فیضانِ عام میں یہ فرق ہے کہ فیضان عام میں مستفیض پر لازم نہیں کہ حصول فیض کے لئے اپنی حالت کو نیک بناوے اور اپنے نفس کو حُجبِ ظلمانیہ سے باہر نکالے"۔ یعنی وہ جس پر رحمانیت کا جلوہ برستا ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ خود نیک ہو یا اپنے آپ کو رحمانیت کا اہل بنائے۔ "حجب ظلمانیہ" وہ حجاب جو تاریکی پیدا کرنے والے ہیں ان سے وہ باہر نکلنے "یا کسی قسم کا مجاہدہ اور کوشش کرے بلکہ اس فیضان میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدائے تعالیٰ آپ ہی ہر یک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے اور بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے لیکن فیضان خاص میں جُہد اور کوشش اور تزکیۂ قلب اور دعا اور تضرع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقع ہو شرط ہے"۔

اب دیکھیں کہ جو بھی آپ دعائیں کرتے ہیں اس میں جو مجاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں قبولیت کی سند پاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں وہ عطا کرتا ہے اور رحیمیت سے فیض لینے کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑے گی۔ جس طرح مزدور، مزدوری کر کے اس کا فیض اٹھاتا ہے آپ اگر اللہ کے حضور گریہ وزاری کریں، محنت کریں، گریہ وزاری ایک سائل، ایک گداگر بھی کرتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں جو خدا کا فیض خاص طور پر نازل ہوتا ہے اس کو رحیمیت کہا جاتا ہے۔

فرمایا: "اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا ہے اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظۂ قانون قدرت سے ثابت ہے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ جو لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اس فیضان کی رو سے خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم ہے اور یہ مرتبہ صفتِ رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور مشروط بشرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے مؤخر ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اول صفتِ رحمانیت ظہور میں آئی ہے پھر بعد اس کے صفتِ رحیمیت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ پس اسی ترتیب طبعی کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ میں صفتِ رحیمیت کو صفتِ رحمانیت کے بعد میں ذکر فرمایا اور کہا ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾۔ اور صفتِ رحیمیت کے بیان میں کئی مقامات پر قرآن شریف میں ذکر موجود ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے ﴿وَمَا كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (احزاب:۴۴) یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں"۔

اب یہ جو نکتہ ہے کہ قرآن کریم سے رحیمیت یا باقی صفات کے جلوے تلاش کرو یہ بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا سمجھایا ہوا نکتہ ہے اور اب سمجھ آئی کہ بِالْمُؤْمِنِيْنَ کیوں فرمایا تھا۔ جہاں تک رحمانیت کا تعلق ہے رسول اللہ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمان ہیں۔ دشمن کے لئے، کافر کے لئے، نیک کے لئے، بد کے لئے۔ جس طرح اللہ نیک و بد پر، سب پر اپنی بارش برساتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاملہ کو بہت گہرائی سے سمجھتے تھے کہ یہ یہاں ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ کیوں فرمایا۔ حالانکہ آپ سب پر رحم کرنے والے تھے۔ باقیوں پر رحم رحمانیت کے جلوہ کے تابع ہے اور مومنوں پر رحیمیت کی وجہ سے۔ یہ مومن آپ کو خوش کرنے کے لئے محنت کرتے تھے اور بڑی بڑی قربانیاں دیتے تھے جیسے فرمایا "یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمان داروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں"۔

"اس جگہ دیکھنا چاہئے کہ خدا نے کیسی صفت رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کر دیا لیکن رحمانیت کو کسی جگہ مومنین کے ساتھ خاص نہیں کیا"۔ اب قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی رحمانیت کا ذکر ہے کہیں مومنوں کے لئے خاص نہیں فرمایا بلکہ رحیمیت کو خاص کیا ہے اور رحمانیت کو عام کر دیا ہے۔ بعض جگہ غلط فہمی ہو سکتی ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾۔ اس آیت میں اور دیگر آیات میں رحمانیت کو مومنوں کے لئے بھی خاص فرمایا گیا ہے مگر ان معنوں میں کہ جو قرآن کا جلوہ، جو وحی کا جلوہ ان کو ملتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت کے نتیجہ میں ہی ملتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے دیا ہے یعنی یہاں بھی رحمانیت کا بن مانگے دینا ظاہر و باہر ہے کیونکہ انہوں نے قرآن کے نزول کے لئے کوئی تمنا تو نہیں کی تھی، کوئی محنت تو نہیں کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے بن مانگے اور بغیر استحقاق کے ان پر یہ جلوہ نازل فرمایا۔

کہیں یہ نہیں آتا "كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحْمَانًا"۔ قرآن کریم میں کہیں یہ لفظ نہیں آئے گا کہ مومنوں کے لئے آپ رحمٰن تھے۔ رحیم کا لفظ آتا ہے۔ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ کا بھی ذکر آتا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب تر ہے۔ تو یہاں بھی رحمت بمعنی رحیمیت کیونکہ رحمانیت بھی رحم سے نکلی ہے اور رحیمیت بھی۔ یہاں رحیمیت مراد ہے۔ اس کا ترجمہ خود یہی فرما رہے ہیں "یعنی رحیمیت الٰہی انہی لوگوں سے قریب ہے جو نیکو کار ہیں"۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . اُوْلٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲۱۹)۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی"۔ اب سچا مہاجر تو وہی ہے جو یہ ہجرت الی اللہ کرے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کے لئے جانے میں بہت سے منافع بھی پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کس کی ہجرت خدا کی خاطر تھی اور واقعی سچی مجبوریوں سے تھی اور کس کی دنیا کمانے کی وجہ سے ہجرت تھی۔ تو ہم تو کسی پر کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے، دلوں کا راز سمجھتا ہے۔

تو اس لئے فرمایا: "یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے

جدائی اختیار کی"۔ اب نفس پرستیوں کی شرط ایک ایسی ہے جو انسان کو یقیناً بتا سکتی ہے کہ وہ مہاجر ہے۔ اگر غیر ملک میں جا کر وہ پہلی بدیاں اپنے ملک میں ہی چھوڑ جاتا ہے جو وہ پہلی زندگی میں شامل حال تھیں اور خود نیکی اختیار کرتا ہے تو دنیاوی فوائد تو اس کو ملیں گے ہی مگر اس کی ہجرت الی اللہ ہو جائے گی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھوٹے چھوٹے نکتے ایسے گہرے بیان فرمائے ہیں کہ ان کے ذریعہ انسان اپنے نفس کو پہچان سکتا ہے اور اگر غافل رہنا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

فرمایا: "نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی اور خدا کی راہ میں کوشش کی۔ وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور خدا غفور اور رحیم ہے یعنی اس کا فیضان رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شامل حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا"۔

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۴۵۲۔ حاشیہ نمبر ۱۱)

پھر شہادت القرآن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تحریر ہے:

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہر گز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے"۔ اب اکثر تندرست ہی ہیں جو چارپائیوں پر قبضہ کر لیتے ہیں، اچھی سیٹوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور کمزور بیچارے کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ تو یہ رحیمیت کے خلاف ہے کہ کمزوروں پر رحم نہ کرے اور جو طاقتور ہیں ان سے ڈرے۔ کمزوروں پر رحم جو ہے یہ رحیمیت ہے اور جو اللہ کے کمزور بندوں پر رحم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے رحیمیت کا سلوک فرماتا ہے۔

فرمایا: "اگر مَیں نہ اٹھوں اور ہمت اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں"۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بارہا ایسے واقعات آئے ہیں کہ اپنی چارپائی تو درکنار اپنا لحاف تک مہمانوں کے سپرد کر دیا اور خود کوٹ اوڑھ کر بیٹھ گئے حالانکہ سخت سردی کی رات تھی۔ تو یہ اپنے کمزور بندوں پر جو محنت کرتے ہیں آپ کی رضا کمانے کے لئے، وہی جس طرح رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کے لئے حال تھا ویسا ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے صحابہ کے لئے حال تھا کہ ان کے لئے اپنے ہر آرام کو ترک فرما دیتے تھے۔

"اگر وہ کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مَیں اس کے مقابل پر امن سے سو رہا ہوں اور اس کے لئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں"۔

ایک اور روایت ہے ایام الصلح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دعا محض لغو امر نہیں اور نہ صرف ایسی عبادت جس پر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کے خیال ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کا وہ قدر نہیں کرتے جو حق قدر کرنے کا ہے اور نہ خدا کی کلام کو نظر عمیق سے سوچتے ہیں"۔ عمیق کہتے ہیں گہری چیز۔ تو اللہ تعالیٰ کے کلام کو ٹھہر کر، غور سے پڑھیں اور گہری نظر سے مطالعہ کریں تو سمجھ آئے گی ورنہ سرسری اس پر سے گزر جائیں گے۔ "اور نہ قانون قدرت پر نظر ڈالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی کا نام فیضِ رحیمیت ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے"۔

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ......۹)

"مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیت کی بنا پر ہے"۔ اب اذان کے بعد جو ہم دعا کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہمارے لئے شفیع بنے تو اس کے لئے خود محنت کرو گے تو شفیع بنے گا۔ عام طور پر مُلّانوں نے یہ غلط فہمی پیدا کر کے اسلام میں لوگوں کی ہلاکت کا سامان پیدا کر دیا ہے کہ گناہ جتنے مرضی کرو شفیع الوریٰ پر نظر رکھو وہ تمہاری شفاعت کر دے گا۔ گناہ جتنے مرضی کرو وہ شفاعت کر سکتا ہے اگر اس کی شفاعت کے لئے ساتھ ساتھ استغفار سے بھی کام لو، توبہ سے بھی کام لو اور بار بار گناہوں سے بخشش طلب کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ان لوگوں کے لئے شفیع ہیں جن میں یہ صفات ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ مَیں نے بار بار گناہ کئے اور تو نے بار بار مجھ سے عفو کا سلوک فرمایا۔ گناہوں کا احساس اس پہلو سے کہ ہر انسان سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ہم پر بہت زیادہ فرض ہے بہ نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو بطور نبی معصوم تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ کی تحریرات کا مطالعہ کر کے دیکھو آپ بے انتہا انکساری کے ساتھ بار بار یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا تو نے بار بار مجھ سے گناہ سرزد ہوتے دیکھے اور بار بار رحمت اور شفقت کا سلوک فرمایا۔ یہ بار بار کرنا یہ رحیمیت ہے۔ پس توبہ بار بار کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی بار بار تم سے رحمت کا سلوک فرمائے گا۔

فرماتے ہیں: "اسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیت کی بنا پر ہے"۔

اب دیکھیں کیسی کیسی باریک باتیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں سمجھائی ہیں اور جماعت پڑھتی تو ہو گی ضرور ان کتابوں کو مگر سرسری طور پر اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں جب تک ساتھ غوطے نہ لگائے جائیں آپ کے مفاہیم اور مطالب کو انسان پا نہیں سکتا۔

"خدا تعالیٰ کی رحیمیت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں"۔ (ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۵۰)۔ یہاں پھر 'بُرے' سے یہ نہ سمجھ لیں کہ ہر بدی کرتے چلے جاؤ اور اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کرو تو پھر بھی رسول اللہ ﷺ شفاعت فرما دیں گے۔ توبہ شرط ہے اور بار بار توبہ شرط ہے اور رحیمیت بار بار توبہ کے نتیجہ میں ہی عطا ہوتی ہے۔ بار بار توبہ کرو، اللہ تعالیٰ بار بار رحم فرمائے گا لیکن اگر گناہوں سے غافل رہو گے تو وہ اندر ہی اندر تمہیں کھا جائیں گے اور کھوکھلا کر دیں گے اور کچھ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ نیکیاں گئی کہاں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی توقع رکھنا یہ آپ کی گستاخی ہے، یہ آپ کی عظمت کا اعتراف نہیں۔

اب مَیں ایک حدیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ مَیں نے کہا تھا نا بعض احادیث ان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے بعد پھر دوبارہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جنگ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کوڑے کے ساتھ اپنے غلام کو مار رہا تھا تو اچانک مَیں نے پیچھے سے آواز سنی۔ اے ابو مسعود! اے ابو مسعود! اور اس آواز میں ایسی شوکت اور دبدبہ تھا کہ آپ نے فرمایا: "اے ابو مسعود! یاد رکھ"۔ لیکن میں غصہ کی وجہ سے آواز نہ سمجھ سکا کہ کس کی ہے، کیا کہہ رہی ہے۔ جب آواز میرے قریب پہنچ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کہہ رہے ہیں کہ "اے ابا مسعود! یاد رکھ"۔ اس پر مَیں نے کوڑا رکھ دیا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: "اے ابو مسعود یاد رکھ اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تو اس غلام پر رکھتا ہے"۔ ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر مَیں نے کہا کہ آج کے بعد میں کبھی غلام کو نہیں ماروں گا۔

اور جو ایک دوسری زیادہ معتبر روایت ہے اس میں یہ آتا ہے کہ ابو مسعود نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں اللہ کی خاطر اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ جب آپؐ نے یہ سنا تو فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو ضرور آگ تجھے جھلس دیتی۔ یا حضورؐ نے فرمایا کہ آگ تجھے ضرور چھوتی۔

ایک بخاری کتاب العتق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے پاس کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے تو کم از کم ایک دو لقمے تو اسے کھانے کو دے کیونکہ اسی نے یہ کھانا اس کے لئے تیار کیا ہے۔ یہاں ضروری نہیں کہ کھانا تیار کرنے والا باورچی ہی کھانا لے کر آئے، کھانا تیار کوئی اور بھی کر سکتا ہے خدمت کے لئے کھانا کوئی اور بھی لاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت تھی اور اس سنت کو بھلانا نہیں چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو کبھی اپنے خدام کو اپنے ساتھ بٹھا کر وہی کھانا کھلاؤ اور تم میں اتنی توفیق نہیں تو کم سے کم اس کھانے میں سے کچھ تو اس کے لئے رکھ لو۔

مسلم کتاب الایمان۔ حضرت ھلال بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جلد بازی میں اپنے خادم کو تھپڑ مار دیا۔ اس پر سُوَیْد بن مُقَرِّنْ نے اُس سے کہا کہ ایک بار مَیں بنی مُقَرِّن کے سات آدمیوں میں سے ایک تھا۔ ہمارے پاس صرف ایک خادمہ تھی۔ ہم میں سے سب سے چھوٹے شخص نے اُسے تھپڑ مار دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اُسے آزاد کر دیں۔ (مسلم۔ کتاب الایمان) یعنی باوجود اس کے کہ وہ ایک ہی خادمہ تھی آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی اور حکم دیا کہ اب اپنا کام خود کرو۔ اب تھپڑ جو مارا ہے اس کے بدلہ میں اس کو آزاد کر دو۔

ایک مسلم کتاب البر سے روایت ہے حضرت ہشام کی جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام کا کچھ عجمی کسانوں کے پاس سے گزر ہوا جن کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ ہشام نے پوچھا ان کا کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ انہیں جزیہ کے تعلق میں روک رکھا گیا ہے۔ اس پر ہشام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ زیر نگیں ہوں، مزدور پیشہ ہوں یا ویسے ہی تابع ہوں جیسے غلام ہیں اور اسی طرح رعایا ہوتی ہے وہ بھی زیر نگیں ہے۔ ان سب کی اگر کوئی بہبود نہیں چاہے گا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے عذاب ہی کی توقع رکھ سکتا ہے۔

ایک مسند احمد بن حنبل میں زہری کی روایت ہے کہ مجھے ثابت بن قیس نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہوا اللہ کی رحمت سے تعلق رکھتی ہے۔ کبھی یہ رحمت لے کر آتی ہے اور کبھی عذاب لے کر آتی ہے۔ پس جب تم اسے دیکھو تو اسے گالی نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس میں پائی جانے والی خیر طلب کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

بعض لوگ آندھیوں کو، طوفانوں وغیرہ کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ یہ قوانین قدرت کی مظہر چیزیں ہیں اور ان کو اگر گالی دی جائے یا سخت کلامی کی جائے تو ان کا تو کوئی نقصان نہیں وہ تو بہر حال تمہیں دبا لیں گی مگر تمہارا نقصان اس معنی میں ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے والے بن جاؤ گے۔ تو دنیاوی عذاب تو ہے ہی، آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہو جاؤ گے۔ پس اس لئے جو قدرتی زلزلے یا طوفان وغیرہ آتے ہیں ان پر صبر و شکر کرنا چاہئے، ان کو گالیاں دینا بالکل لغو اور بے کار فعل ہے اور سوائے اس کے کہ اپنے عذاب میں آپ اضافہ کریں اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی ایک روایت ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلم کتاب الالفاظ من الادب میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ کو گالیاں نہ دو کیونکہ خود اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ یعنی جو زمانہ ہے یہ اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ پس تم جب زمانہ کو گالیاں دو گے تو وہ اللہ ہی کو گالیاں دو گے۔ ہر قسم کی احتیاط آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ہمیں سمجھا دی ہے اور راہ کے ہر خوف سے آگاہ فرما دیا ہے، نذیر ہونے کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ جتنی اچھی حکومت ہو اتنی ہی زیادہ رستوں کے چکر اور خطرات اعلان کے طور پر کئے جاتے ہیں۔ اب دیکھو سڑکوں پر جگہ جگہ اعلان ہوتا ہے کہ گریڈ اب اتنا ہو گیا ہے، یہ نیچے جانے والی ہے، اچانک مڑنے والی ہے۔ اب یہ اوپر چڑھنے والی ہے تو یہ بظاہر خطرات کی باتیں ہیں لیکن نذیر در حقیقت مبشر ہوتا ہے۔ اگر انذار نہ کیا جائے صحیح انذار، جھوٹا انذار نہیں، صحیح انذار نہ کیا جائے تو انسان ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ تبشیر ہی کا ایک دوسرا نام انذار ہے۔

اب آنحضرت ﷺ کی رحیمیت کا ہر درجہ کمال ہے کہ فرمایا مرغ کو گالی نہ دو کیونکہ یہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ یہ بھی تمہاری خدمت کر رہا ہے صبح کے وقت اذان کی آواز آئے تو لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ بالارادہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ صبح پو پھوٹے تو اذان دے دے۔ اور اس سے چونکہ تمہیں فائدہ پہنچتا ہے، یہ تمہاری خدمت کرتا ہے تو رحیمیت کے خلاف ہے کہ تم مرغ سے بھی کوئی برا سلوک کرو۔

ایک ترمذی ابواب الصید میں روایت ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ سے سدھائے ہوئے شکاری کتے سے شکار کرنے کے بارہ میں پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا: جب تم نے اپنا کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے تو اس شکار کو کھاؤ جو اُس نے تمہارے لئے پکڑ رکھا ہے اور اگر اُس نے اس میں سے کچھ کھالیا ہے تو تم نہ کھاؤ"۔ کیونکہ کتے کے کھانے سے کچھ زہریلا مادہ، جراثیم وغیرہ بھی گوشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ "اگر اُس نے اس میں سے کچھ کھالیا ہے تو تم نہ کھاؤ کیونکہ وہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے"۔

اب یہ اور بھی حکمت کی بات بیان فرمائی کہ اگر تمہارے لئے شکار کیا ہوتا تو تمہارے لئے روک رکھتا۔ تم نے اگر کتوں کو صحیح سدھایا ہی نہیں اور وہ حرص کر کے شکار خود کھانے لگ جاتے ہیں تو پھر یہ تمہارے لئے شکار نہیں ہے یہ ان کا اپنا شکار ہے۔ "مَیں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر ہمارے کتوں کے ساتھ دوسرے کتے مل جائیں تو کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا اور دوسرے کتوں پر تو تم نے اللہ کا نام نہیں لیا تھا"۔ (ترمذی۔ ابواب الصید) یعنی کوئی پتہ نہیں کس کتے نے منہ مارا ہے۔ تو تقویٰ اختیار کیا کرو اگر تمہیں پتہ ہو کہ جس کتے نے شکار پکڑا ہے اور تمہاری خاطر روک رکھا ہے۔ اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا ہے تو پھر وہ تمہارا خادم ہے اور اس کا ان معنوں میں رحیمیت سے تعلق ہے کہ وہ تمہاری خدمت کرتا ہے پھر اس کا بھی خیال رکھو، اسے اچھی طرح سکھاؤ پڑھاؤ۔

ایک یہ حدیث ہے یہ غلطی سے اس میں آگئی ہے منہ پر مارنے اور دانت پر داغنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ اللہ بہتر جانتا ہے رحمانیت سے تعلق رکھتی ہے یا رحیمیت سے مگر رحم سے بہر حال تعلق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہنا چاہئے کیونکہ حضرت عبداللہ بھی صحابی تھے اور حضرت عمر بھی صحابی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو اپنی بلّی کی وجہ سے عذاب دیا گیا اس نے بلّی کو قید کئے رکھا یہاں تک کہ وہ مر گئی اس پر وہ عورت دوزخ میں چلی گئی۔ اس نے نہ تو بلّی کو کچھ کھانے کو دیا نہ پینے کو بلکہ اسے قید کئے رکھا، نہ ہی اسے آزاد چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا سکتی۔ (بخاری کتاب حدیث الانبیاء)

اب اس حدیث کی رحیمیت سے ایک تعلق ضرور ہے وہ ان معنوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے جانور جتنے بھی پیدا کئے ہیں ان کو انسان کا محتاج نہیں بنایا۔ وہ محنت کرنے کے لئے آزاد ہیں اور جتنی محنت کرتے ہیں وہ اپنے رزق کا سامان کر ہی لیتے ہیں۔ انسان جو جانوروں کو لومڑیوں کو، بلیوں کو، کتوں کو روٹی ڈالتا ہے یا پرندوں کو تو اس پر انحصار نہیں ہے ان کی زندگی کا، ان کو اللہ نے بہر حال دینا ہی دینا ہے۔ اس لئے اس نے اگر بلّی کو قید کر کے رکھا تو خدا نے جو اس کے اندر رزق حاصل کرنے کے لئے محنت کا جذبہ پیدا کیا ہے وہ اس سے محروم رہ گئی اور قید ہونے کی وجہ سے بھوکی مر گئی۔ تو اس وجہ سے اس عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔

حضرت انس کی ایک روایت بخاری کتاب الحج ابواب العمرۃ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (حج کے سفر میں) ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے گھسٹتا چلا جا رہا ہے۔ آپؐ نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل (حج کے لئے) جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ اس طرح اپنے آپ کو دکھ اور تکلیف دے اور آپؐ نے اس بوڑھے کو ارشاد فرمایا کہ سواری پر بیٹھ جاؤ۔ (بخاری۔ کتاب الحج ابواب العمرۃ من نذر المشی الی الکعبۃ)

اب اس کا ایک باریک تعلق ہے رحیمیت سے۔ یعنی خدا کی خاطر مشقت اور محنت کرنا اس کی رحیمیت کو انگیخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحیمیت کا مطالبہ کرتا ہے اور ایک طاقت سے بڑھ کر تکلیف ڈالنا یہ رحیمیت کو نہیں بلکہ ناراضگی کو پیدا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بہت ہی رحمٰن اور رحیم اور رءوف ہے۔ وہ ان سے اسی قدر محنت کا مطالبہ کرتا ہے جتنی ان میں طاقت ہے۔ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ تم بھی اپنے زیر نگیں لوگوں کو بھی اور اپنے عزیزوں اور اقرباء کو بھی تکلیف نہ دیا کرو۔ اگر تم میں طاقت ہی نہیں ہے وہ کام کرنے کی۔ تو بوڑھا یہ گناہ کر رہا تھا کہ اپنے بچوں کو بھی تکلیف دے رہا تھا اور خود بھی ضرورت سے زیادہ تکلیف اٹھا رہا تھا۔ پس اس کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی رحیمیت کو جذب کرنے والا نہیں بلکہ اس کی ناراضگی کو جذب کرنے والا تھا۔

جیسا کہ مَیں نے عرض کیا تھا اب یہ روایت اور بھی ابھی باقی ہیں اور پھر سورۃ بقرہ کی وہ آیات بھی رہتی ہیں جو مَیں نے بیان کی تھیں جن میں رحیمیت کا ذکر ہے تو انشاء اللہ یہ مضمون اب آگے تک چلے گا۔ پھر باقی قرآن کریم سے رحیمیت کے ذکر کی آیات نکال کر ان کے متعلق مَیں قرآن کے جس ماحول کے متعلق بیان کیا ہے اس ماحول کو آپ کے سامنے اجاگر کر کے بتاؤں گا کہ یہاں رحیمیت کا کیا تعلق ہے۔

اب آخر پر خطبہ ختم کرنے سے پہلے میں ڈاک کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو مجھے ڈاک ملتی ہے ایک زمانہ تھا کہ وہ خلاصے بنا کر میرے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ یہ خلاصوں کا رواج اب تک پاکستان میں بھی ہے، کراچی، لاہور وغیرہ، ربوہ اور جرمنی میں بھی ہے لیکن جو براہ راست خط مجھے ملتے ہیں وہ مَیں خود ضرور دیکھتا ہوں، ان کا خلاصہ نہیں بنایا جاتا۔ تو اس لئے یہ خیال کریں کہ اگر میری یہ نیت ہے کہ مَیں خود اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھا کروں تو کچھ اختصار سے کام لیا کریں۔

بعض لطیفے بھی ہوتے ہیں ایک خاتون نے مجھے کوئی پندرہ بیس صفحے کا خط لکھا اور آخر پر لکھا کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اس لئے بہت اختصار سے کام لے رہی ہوں اور آخر پر بات کچھ بھی نہیں نکلی، کچھ بھی بات نہیں تھی۔ نہ شکایتیں تھیں نہ کوئی اور ذکر۔ اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ تھا۔ تو یہ

سلوک نہ کریں کہ پھر مجھ دوبارہ خلاصوں کی طرف واپس جانا پڑے۔ اگر خلاصہ نکالنا آپ کے لئے دو بھر ہو یعنی چھوٹا خط لکھنا تو بے شک پہلے ایک لمبا خط لکھ لیا کریں، چالیس پچاس صفحے کا، اس کے بعد خود اس کو دیکھیں کہ اس میں کوئی کام کی بات ایسی ہے جو مجھے علم ہونی چاہئے۔ پھر وہ مجھے بتائیں تو آپ کے خط کا خلاصہ آپ کے ہاتھ کا نکلا ہوا مجھے پہنچ جائے گا۔

اور دوسرے یہ کہ شادی بیاہ کے جھگڑوں میں، ساس سے شکایت میں، نندوں سے شکایت میں، خاوند سے یا بیوی سے شکایت میں مجھے کوئی تفصیل نہ لکھا کریں کیونکہ جو بھی آپ تفصیل لکھیں گے وہ یکطرفہ ہے اور بڑا ظلم ہے اگر میں یکطرفہ بات سن کر اس پر اعتبار کرلوں۔ تو وہ سارے خطوط مَیں مجبوراً امور عامہ کو یا دوسرے اداروں کو جنہوں نے تحقیق کرنی ہے ان کی طرف مارک کر دیتا ہوں۔ وہ ان کو دیکھتے ہیں اور مجھے بتاتے ہیں۔ تو کیا فائدہ اتنے لمبے خطوط لکھنے کا۔ یہ لکھا کریں کہ ہماری فلاں سے یہ ایک شکایت ہے دعا کریں کہ اللہ ہم دونوں میں سے جو غلطی پر ہے اس کو ٹھیک کر دے اور یہ شکایتیں رفع ہوں۔ اور جو اپنے شکایتی خطوط کی تفصیل ہے وہ بے شک متعلقہ ادارہ کو، باہر کی جماعتیں ہیں تو وہاں سیکرٹری امور عامہ کو یا سیکرٹری اصلاح وارشاد وغیرہ کو دے دیا کریں اور پھر وہ جو چاہیں تحقیق کرنے کے بعد خود اس تحقیق کا خلاصہ مجھے دیا کرتے ہیں اور پھر مَیں فیصلہ کر سکتا ہوں کہ کس فریق کی بات سچی تھی اور کس کی جھوٹی تھی۔

ایک اور بھی سلسلہ چل پڑا ہے بعض لوگوں نے کمپیوٹر میں خط ڈالے ہوئے ہیں اور ایک ہی مضمون ہے اور روزانہ کمپیوٹر سے وہ خط نکلتا ہے اور مجھے بھجوا دیتے ہیں۔ اب میں پڑھ پڑھ کے حیران ہو گیا ہوں کہ اس روزانہ کے کمپیوٹر کے ڈالے ہوئے سے مجھے کیا فرق پڑے گا کیونکہ دلی جذبات تو پہنچتے نہیں کیونکہ کمپیوٹر نے ایک نوکر بن کے وہ چیز مجھے پہنچادی ہے۔ لیکن ذرا ٹھہر ٹھہر کے آرام سے لکھا کریں اور بہتر یہی ہے کہ کمپیوٹر میں ڈالنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے لکھا کریں یا ٹائپ کرنا ہو تو کمپیوٹر میں ٹائپ کروالیا کریں لیکن مختصر، مطلب کی بات کریں۔ یہ نہ ہو کہ پچیس صفحے کا خط ہو اور آخر پر ہو "آمدم برسر مطلب" کہ اتنی لمبی تحریر کے بعد اب میں اپنے مطلب کی بات بیان کرتا ہوں تو آمدم برسر مطلب کو خط کے شروع میں بیان کر دیا کریں باقی خط کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

بعض لوگ ایک خط لکھ کر اس کی فوٹو کاپیاں کروالیتے ہیں اس پر صرف تاریخ نہیں لکھتے وہ اپنے ہاتھ سے تاریخ ڈالتے ہیں گویا کہ انہوں نے ہر خط نیا لکھا ہے تو ہمیں سمجھ تو آہی جاتی ہے کیا فائدہ اس کا؟ اس لئے دھوکہ اسے دیں جسے دے سکتے ہیں بلکہ اس کو بھی نہ دیں۔ یہ فضول بات ہے۔ دعا کی تحریک کے لئے دل کا جذبہ ہے جو ضروری ہے اگر دل کا جذبہ کسی طرح پہنچ جائے تو خواہ وہ ہفتہ میں ایک دفعہ پہنچے یا مہینہ میں ایک دفعہ پہنچے اس کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ ورنہ ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو گھنٹے میں خط میں ڈھونڈ تا رہتا ہوں کہ اصل مطلب کی کیا بات ہے۔ تو مَیں امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگ انشاء اللہ اصل مطلب کی بات پہلے کیا کریں گے۔ اب اس کے بعد میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

۞۞۞......۞۞۞......۞۞۞